بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ادارۂ دار الاسلام کے کتبخانے کو کتابوں کا سب سے پہلا عطیہ ملک عبدالعزیز ابنِ سعود سلطان نجد و حجاز کی طرف سے وصول ہوا ہے جو مذہب حنبلی کی چند بہترین کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس عطیہ کیلیے ہم سلطان موصوف کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ عطایا کی فہرست شائع کرنا، اور معطیوں کے شکریے اشتہار کی صورت میں ادا کرنا ہمارے مسلک کے بالکل خلاف ہے، لیکن خاص طور پر اس عطیے کا ذکر ان صفحات میں اسلیے کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے ہمدردوں کو بھی اس مسرت میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ اس ادارے کے کارنامے ابھی کچھ نہ سہی، مگر اس کا بنیادی تخیل ایسا ضرور ہے کہ اس نے اول یوم پیدائش ہی میں بیرونِ ہند کے سلاطین اسلام میں سے ایک کی توجہ اپنی طرف جذب کرلی، فالحمد للہ علی ذالك۔

اکثر اصحاب ادارۂ "دار الاسلام" کے دستور العمل کا بے چینی کے ساتھ مطالبہ کر رہے ہیں، اور اس مطالبہ میں شدت اس لیے پیدا ہو گئی کہ غلطی سے "پراسپکٹس" کی اشاعت کا اعلان قبل از وقت کر دیا گیا۔ وقت کی تنگی اور حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے دردمندانِ ملت کی بے چینی بالکل حق بجانب ہے۔ لیکن ہم مجبور ہیں کہ دستور العمل کی ترتیب میں جلد بازی سے اجتناب کریں۔ جہاں تک اس ادارے یا تحریک

کے بنیادی تخیل اور اسکے نصب العین اور طریق کار کا تعلق ہے، اسکا ایک مجمل خاکہ اس مضمون میں دیا جا چکا ہے جو شوال ۵۷ھ کے "ترجمان القرآن" میں شائع ہوا تھا۔ (اسکو اب ایک پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کر دیا گیا ہے)۔ اب رہ گئیں تفصیلات تو ان کو مرتب کرنے کیلیے ضروری ہے کہ ہم اپنے حالات کا پوری طرح جائزہ لے کر اس امر کا ٹھیک اندازہ کرلیں کہ کسقدر ذرائع ہماری دست رس میں ہیں اور کتنی قوت ہمکو حاصل ہے۔ اس اندازہ کے بغیر کوئی اسکیم مرتب اور شائع کر دینا ایک غیر مآل اندیشانہ فعل ہوگا۔ لہذا ہم اپنے ہمدردوں سے درخواست کرتے ہیں کہ چندے توقف فرمائیں۔ جونہی دستور العمل شائع ہوگا، ترجمان القرآن میں اسکا اعلان کر دیا جائیگا۔

بعض حضرات اس ادارہ کے نام پر معترض ہیں۔ وہ اس نام کا فقہی تصور ذہن میں رکھ کر اعتراض کرتے ہیں کہ جو مقام ایک غیر مسلم حکومت کے زیر تصرف ہے اور جہاں اقامت حدود اور تنفیذ احکام کا کوئی اختیار ہم کو حاصل نہیں، اسے "دار الاسلام" کیسے کہا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقامی دار الاسلام نہیں ہے بلکہ مقصدی دار الاسلام ہے، یعنی اس ادارے یا اس تحریک کا نصب العین ہندوستان کو از سر نو دار الاسلام بنانا، اور نوجوانان اسلام کو علم، سیرت اور اسپرٹ کے اعتبار سے اس نصب العین کیلیے تیار کرنا ہے۔ اسی لیے اس کا نام ایسا تجویز کیا گیا ہے جو بالکل واضح طور پر اسکے مقصد کو ظاہر کرتا ہے۔ اس نام کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دار الاسلام بالفعل بن چکا ہے، بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم دار الاسلام بنانے کا عزم رکھتے ہیں۔ جب کوئی جماعت اپنے آپ کو سوراج پارٹی یا ہوم رول لیگ یا نیشنل کانگریس کہتی ہے تو اسکے معنی یہ نہیں ہوتے کہ سوراج بالفعل حاصل ہو چکا ہے، یا ہوم رول عملاً قائم ہو چکا ہے، یا نیشن فی الواقع بن چکی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس جماعت کا مقصد یہ ہے اور اسکی جدوجہد اس نصب العین کیلیے ہے۔

پھر اس خاص جگہ کو جہاں یہ ادارہ قائم ہے "دار الاسلام" کے نام سے موسوم کرنے کی علت بھی یہی ہے - جس طرح ایک عمارت کو "سوراج بھون" کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں عملاً سوراج قائم ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سوراج کی تحریک اس مرکز سے چلتی ہے، اس طرح تحریک دار الاسلام کے مرکز کو عین دار الاسلام کہنے کا مطلب بھی اسکے سوا کچھ نہیں کہ یہ اس تحریک کا مرکز عصبی (Nerve centre) ہے - اس نقطہ سے دار الاسلام وجود میں آنا شروع ہوتا ہے - یہاں ہم کسی غیر مسلم کی سیادت اور کسی غیر اسلامی قانون کی حکمرانی تسلیم نہیں کرتے الّا یہ کہ وہ ہم پر بجبر مسلّط ہو جائے - ہم انقیاد (Submission.) کیلیے تیار نہیں - البتہ قاہرانہ غلبہ (Subjugation.) کو ارادۂ دفع اور عزم مقابلہ کیساتھ مجبوراً گوارا کرتے ہیں -

امید ہے کہ اس توضیح کے بعد ان لوگوں کا اطمینان ہو جائیگا جو نیک نیتی کیساتھ اس نام کی معنویت سمجھنا چاہتے ہیں - رہے وہ حضرات جنکے دلوں میں بیماری ہے، تو ان کی تشفی کسی معقول بات سے نہیں ہو سکتی - وہ بدخواہی اور بدگوئی ہی سے اپنے دلوں کی آگ بجھانے کی کوشش کرتے رہینگے اور یہ چیز اپنی طبعی خاصیت کی بنا پر اس آگ کو اور زیادہ بھڑکاتی چلی جائیگی - ہمارے پاس ان کے لیے کوئی دوا نہیں - صرف یہ دعا ہے کہ شافی مطلق انکے دل کو اچھا کردے -

---

ادھر کچھ عرصہ سے ترجمان القرآن کے صفحات میں اُن علمائے کرام کی سیاسی پالیسی پر تنقید کی جاتی رہی ہے جو عامۂ مسلمین میں کانگریس کی تحریک ربط عوام (Mass Contact) کو پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں چونکہ ہمارے نزدیک ان کی یہ سیاست اصول اسلام کے خلاف اور مسلمانان ہند کی قومی ہستی کیلیے مہلک ہے، اس لیے ہم نے ان حضرات کو انکی غلطی پر متنبہ کرنا اپنا دینی فرض سمجھا، اور اس فرض کو ادا کیا - اس تمام بحث میں ہماری مخاطب پوری جماعت علماء نہیں، بلکہ صرف

وہ جماعت رہی ہے جو مذکورۂ بالا سیاسی پالیسی پر عامل ہے۔ پھر اس خاص جماعت کے بھی اخلاق یا اعمال پر ہم نے کوئی عام حرف گیری نہیں کی بلکہ تمام بحث کو صرف اس خاص مسئلہ تک محدود رکھا جو ہمارے اور انکے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اور اس خاص مسئلہ میں بھی ہم نے ان کی نیت پر کبھی کوئی حملہ نہیں کیا، بلکہ محض دلائل سے انکی غلطی ثابت کرنے کی کوشش کی اور اسکے جو کچھ نتائج ہمارے نزدیک مسلمانانِ ہند کے مستقبل پر مترتب ہونے والے ہیں انکو صاف صاف بیان کردیا۔ اسکے ساتھ ہی ہم نے انکو بار بار دعوت دی کہ یا تو اپنی غلطی تسلیم کر کے اس سے رجوع فرمائیے، یا کم از کم یہی بتا دیجیے کہ آپ کن عقلی و نقلی دلائل سے اس پالیسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ہمارے اس طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارا مقصد علماء کے اس گروہ کو مقامِ اعتبار و احترام سے گرانا نہیں بلکہ ایک قومی مسئلہ میں اختلاف کو رفع کرنا ہے، اور اگر وہ حقیقت میں غلطی کر رہے ہیں تو مسلمانوں کو انکی غلطی کے نتائج سے اور خود انکو دنیا کی ناکامی اور آخرت کی بازپرس سے بچانا ہے۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ علماء کے اس گروہ پر ہماری اس خیرخواہانہ کوشش کا الٹا اثر ہو رہا ہے۔ وہ اس کو عناد اور دشمنی پر محمول کر رہے ہیں۔ اس کو یہ معنی پہنا رہے ہیں کہ مدیر ترجمان القرآن علماء کی عزت پر حملہ کر رہا ہے۔ اور انکی جانب سے نہ صرف ترجمان القرآن کی ذات کے خلاف، بلکہ ادارۂ دار الاسلام کے خلاف بھی جھوٹے پروپیگنڈا کے وہ طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں جو اس ناخداشناسی اور آخرت فراموشی کے دور میں عموماً سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا کرتی ہیں۔

میں اس قسم کے پروپیگنڈا کا جواب دینے سے بالکل قاصر ہوں، اور ایسی لڑائی میں اعترافِ شکست ہی میرے نزدیک شریف آدمی کیلیے اخلاقی فتح ہے، اسلیے میں کوئی جواب تو دینا نہیں چاہتا۔ البتہ ان حضرات کو چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں کہ الدین النصیحۃ۔

بد قسمتی سے سیاسیات کے شغل نے یہ بات انکے دل سے بھلا دی ہے کہ وہ علمائے اسلام ہیں اور ان کا منصب دینِ مقدسِ اسلام کی نمائندگی کا منصب ہے۔ وہ اپنے آپ کو محض ایک سیاسی پارٹی سمجھنے لگے ہیں اور ذہنی و اخلاقی حیثیت سے عام پارٹیوں کے مقام پر اتر آئے ہیں، اس لیے ان کا گمان یہ ہے کہ جسطرح ہر پارٹی پبلک میں اپنے نفوذ و اثر کی حفاظت کرنے اور مخالف پارٹیوں کو گرانے کے لیے تمام ممکن طریقے اختیار کرنے کی آزادی رکھتی ہے اسی طرح وہ بھی اس معاملہ میں آزاد ہیں۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ آجکل کی سیاسیات میں تو دیانت اور اخلاق کوئی چیز نہیں۔ صداقت ایک لفظ بے معنی ہے۔ کامیابی کا معیار آخرت نہیں بلکہ دنیا ہے۔ اسلیے سیاسی لوگ اپنے مخالفین کو جھوٹ کی طاقتوں سے گرانا بالکل جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے اخلاق میں یہ بالکل درست ہے کہ ہر وہ بات تصنیف اور شائع کر دی جائے جو پبلک کو فریق مقابل سے بدگمان کر سکتی ہو، قطع نظر اسکے کہ اسکی کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو۔ لیکن علماء جس مذہب کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں اسکے اصول اخلاق یہ نہیں ہیں۔ وہ تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (کسی قوم کی دشمنی تم کو ایسا مشتعل نہ بنا دے کہ تم انصاف سے روگردانی کرو۔ نہیں، انصاف کرو کہ یہی شیوہ پرہیزگاری سے قریب تر ہے) اور کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (راستی پر سختی کے ساتھ قائم رہو اور خدا کی خاطر گواہی دو چاہے وہ تمہاری اپنی ذات یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں ہی کے خلاف پڑتی ہو)۔ لہذا اگر آپ کا کسی سے باپ مارے کا بیر بھی ہو، اور آپ کسی کے خون کے بھی پیاسے ہوں، تب بھی آپ کیلیے جائز نہیں کہ جھوٹ کے ہتھیار اسکے خلاف استعمال کریں۔ ان طریقوں سے آپ اپنے وقار کی حفاظت فرمائینگے تو رہا سہا وقار بھی کھو بیٹھینگے۔

یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ جب کسی مسئلے میں کسی عالم دین یا کسی گروہ علماء کی رائے پر تنقید کی جائے یا ان سے حجت پوچھی جائے تو وہ خود یا انکی جماعت کے لوگ اسکا معقول جواب دینے کے بجائے علماء کے وقار کا سوال چھیڑ دیں، اور تمام بحث اصل مسئلے سے ہٹا کر اس ڈھنگ پر شروع کردیں کہ فلاں شخص علماء کے وقار کو صدمہ پہنچا رہا ہے، اور علماء کے وقار کو صدمہ پہنچانے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کا اعتماد اُن پر سے اُٹھ جائے، اور جب مسلمان ان پر اعتماد نہ کرینگے تو گمراہ ہونگے، لہذا وہ مردود در اصل مسلمانوں کو بے دین بنانا چاہتا ہے اور ضرور ہے کہ اعدائے دین کے تمام گروہوں سے اسکا کوئی نہ کوئی رشتہ ہو۔

میں علماء کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وقار (Prestige.) کا یہ تصور سراسر غیر اسلامی ہے اور اس وقار کو بچانے کا یہ طریقہ اس سے بھی زیادہ غیر اسلامی۔ مسلمان کا وقار دنیا پرستوں کی طرح غیر حق پر قائم نہیں ہوتا کہ تنقید سے اسکو صدمہ پہنچنے کا خوف ہو اور وہ ناقدوں کے منہ بند کرتا پھرے۔ اس کے وقار کی بنیاد حق کے سوا کسی دوسری چیز پر نہیں ہوتی، اسلیے وہ تنقید سے ڈرتا نہیں بلکہ اپنے آپ کو برملا تنقید کیلیے پیش کرتا ہے، اور حجت سے اپنا برسر حق ہونا ثابت کردیتا ہے۔ اسکے وقار کو تو اس وقت بھی صدمہ نہیں پہنچتا جب وہ امیر قوم کی حیثیت سے منبر پر کھڑا ہو اور ایک معمولی آدمی اٹھ کر اس سے پوچھے کہ یہ چادر تو کہاں سے لایا؟ وہ اس محاسبہ پر جھنجھلانے کے بجائے اسکا جواب دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک جس شخص کا حساب بے باق ہو اس کو محاسبہ سے بے باک ہونا چاہیے اور جسکا وقار محاسبہ کی چوٹ پڑتے ہی ٹوٹ پھوٹ جائے اسکے وقار کا لوٹ جانا ہی اچھا۔ یہی نہیں بلکہ مسلمان کو علانیہ پبلک میں ایک معمولی بڑھیا کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی وقار کے کھوئے جانے کا خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے نزدیک غلطی پر قائم رہ کر آخرت میں اپنا وقار کھونے سے یہ لاکھ درجہ بہتر ہے کہ غلطی مان کر دنیا میں وقار کھو دیا جائے۔

پس علماء کے اسلامی وقار کو صدمہ اس سے نہیں پہنچ سکتا کہ ان کے کسی قول یا فعل پر تنقید کی جائے یا کسی بات پر ان سے حجت طلب کی جائے، بلکہ اس کو دراصل صدمہ اس سے پہنچتا ہے کہ وہ تنقید پر بھپر جائیں، حجت کا جواب حجت سے دینے کی ہمت نہ کریں اور مقابل کا منہ اُن تدبیروں سے بند کرنے کی کوشش کریں جن پر اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ پڑھنے کو جی چاہے۔

اگر خدا نخواستہ علماء کا وقار اب ایسا ہی ہو گیا ہے کہ وہ تنقید اور طلب حجت سے مٹ جاتا ہے، اور غیر مشروع چالوں کے سوا کسی دوسرے طریقہ سے اسکی حفاظت نہیں ہو سکتی تو وہ آج نہیں، کل مٹ کر رہیگا اور اسکے مٹنے سے اسلام کا ہرگز کوئی نقصان نہ ہوگا۔

علماء کی عزت بلاشبہ ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اگر ان کی عزت نہ ہو، ان کا اعتماد نہ ہو تو مسلمان اپنے دین کا علم کس سے حاصل کرینگے؟ احکام دین کس سے پوچھینگے؟ عبادات اور معاملات میں کس کا اتباع کرینگے؟ اس لحاظ سے علماء کے وقار اور انکے اعتماد کی حفاظت، درحقیقت دین کی حفاظت ہے، اور اس چیز کے ضائع ہو جانے سے مسلمانوں کے گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ یقینی ہے۔

لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام میں علماء کی حیثیت وہ نہیں ہے جو ہندوؤں میں برہمنوں کی اور کلیسا میں پوپ اور اسکے گروہ اساقفہ کی ہے۔ علماء اسلام جو کچھ اسلام کی طرف سے کہیں اور کتاب وسنت کی حجت پر کہیں وہی لائق اتباع ہے۔ انکی جو کچھ بھی مرتبت ہے اسی بنا پر ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ورنہ اس حیثیت سے ہٹ کر ان میں اور عام انسانوں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر وہ اپنی شخصی رائے سے کوئی طریقہ اختیار کریں تو انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کو اس طریقہ کی طرف کھینچنے کیلئے اپنے دینی وقار سے کام لیں، اور اس خاص مسئلے میں جو شخص انکی مخالفت کرے اس پر یہ الزام لگائیں کہ یہ شخص

"علمائے اسلام" کا مخالف ہے اسلیے نفس اسلام کا دشمن ہے۔ یہی نہیں، بلکہ اگر وہ اصول اسلام کے خلاف عمل کریں اور یہ ثابت نہ کرسکیں کہ ان کا عمل اصول اسلام کے خلاف نہیں ہے، تو "علمائے اسلام" ہونے کی حیثیت سے ان کا مسلمانوں پر کوئی حق باقی ہی نہیں رہتا۔ بخلاف اسکے براہمہ اور اساقفہ اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم بجائے خود ایک مقدس گروہ ہیں، مجرّد برہمن یا اسقف ہونے ہی کی بنا پر ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہمیں عام انسانوں سے بالاتر سمجھا جائے، ہمارے آگے سر جھکایا جائے اور یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حق ہر حال میں ہمارے ساتھ ساتھ گردش کرتا ہے۔

اس اصولی فرق کو نظر انداز کرکے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں اصحاب "ہمارے اکابر" ہیں اسلیے ان کے ارشادات پر بحث کا سوال کرنا ہی گستاخی ہے، جو کچھ انکی زبان سے نکلے، وہی عینِ حق ہے، جس طرف وہ جائیں اسی طرف آنکھیں بند کرکے چلنا چاہیے، اور یہ کلّی مفروضہ اپنے دل میں بٹھا لینا چاہیے کہ وہ اور اسلام متحد الحقیقت ہیں اور خطا کا صدور ان سے مستبعد ہے، وہ دراصل اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔

اس طور پر علماء کے وقار کی حفاظت کرنا اسلام کیلیے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا علماء کو من حیث الجماعت ساقط الاعتبار کردینے کی کوشش کرنا۔ عدل و توسط کی راہ سے یہ دونوں طریقے بالکل ہٹے ہوئے ہیں، اور سچے علماء کا فرض ہے کہ جس طرح وہ دوسرے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں اسی طرح پہلے طریقہ کی بھی مخالفت کریں، یا کم از کم اسکی ہمت افزائی تو نہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے معتقدوں کے افعال و اقوال نفس کیلیے بہت لذت بخش ہوتے ہیں، مگر تقویٰ کی تعریف یہی ہے کہ نفس کو خلافِ حق باتوں میں لذت لینے سے روکا جائے، اور یہ حق پرستی کی راہ میں جیل کی چکیاں پیسنے اور پولیس کی لاٹھیاں کھانے سے بھی زیادہ سخت مرحلہ ہے۔

اور یہ "ہمارے اکابر" کا تخیل بھی ایک فتنہ بن کر رہ گیا ہے۔ آدمی جس بزرگ کی تعلیم اور فیض صحبت سے مستفیض ہو اسکی عزت اور قدر و منزلت کرنا تو عین مقتضائے شرافت و انسانیت ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ معاملہ اس حد سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ مختلف علمی اور مذہبی حلقوں نے اپنے اپنے جتھے بنا لیے ہیں اور ان جتھوں میں سخت طائفی عصبیت پیدا ہو گئی ہے۔ ایک جتھے کا آدمی اور خصوصاً بڑا آدمی جو کچھ کہے یا کرے اس کا ساتھ دینا پورے جتھے پر فرض ہو جاتا ہے، اور اس معاملہ میں یہ دیکھنا جماعتی وفاداری کے بالکل خلاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ بات بجائے خود حق ہے یا نہیں۔ اسی طرح اگر کسی جتھے کے اکابر یا ان میں سے کسی اکبر کی رائے پر تنقید کی جائے تو سارے جتھے میں حمیت جاہلیہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اُس وقت یہ دیکھنا گویا حرام ہو جاتا ہے کہ ناقد نے جو کچھ کہا ہے وہ حق ہے یا نہیں۔ جذبات کا سارا اشتعال صرف اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس نے ہمارے اکابر کی "توہین" (یعنی ان پر تنقید) کی ہے، اور اس جنگ میں "ہمارے اکابر" کا لفظ بطور ایک شعار جاہلیت کے استعمال کیا جاتا ہے جس طرح اسلام سے پہلے عرب میں قبیلوں کے نام یا آبا و اجداد کے نام پکارے جاتے تھے۔ پھر اگر حسن اتفاق سے اسی حلقے میں کچھ لوگ ایسے بھی نکل آئیں جو اس جتھے بندی میں شریک نہ ہوں اور ناقد کو حق بجانب دیکھ کر اسکی تائید کریں تو انکو اس حق پرستی پر الٹا مطعون کیا جاتا ہے اور اچھی خاصی ممتاز شخصیت کے آدمیوں کو بھی علی الاعلان یہ کہتے ہوئے ذرا حجاب نہیں ہوتا کہ فلاں صاحب کو "اپنے بزرگوں کی سچی عقیدت اس چکر سے نکال لیگی"، یعنی وہ حق پرستی کے چکر سے نکل کر حمیت جاہلیہ کے چکر میں پھنس جائینگے!

جو شخص علم دین میں کچھ بھی بہرہ رکھتا ہو اس سے یہ حقیقت چھپی نہیں رہ سکتی کہ اس قسم

کی جتھے بندی فطرتِ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام صرف ایک جتھے سے واقف ہے، اور اس جتھے کا نام "حزب اللہ" ہے۔ یہاں دوستی اور دشمنی، موافقت اور مخالفت جو کچھ ہے اللہ کیلئے ہے۔ مسلمان کی غایتِ زندگی یہی ہے کہ وہ مرضات الٰہی کا اتباع کرے اور اسی پر دنیا و آخرت میں اس کی فلاح کا مدار ہے، اسلئے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ نفس کے تمام رجحانات اور ہوائے نفسانی کی ساری لگاوٹوں سے پاک ہو کر خالص علم کتاب اور عقل و وجدان کی روشنی میں یہ تحقیق کرے کہ رضائے الٰہی کس راستے میں ہے، اور جب کسی راستہ کے برحق ہونے پر اسکا قلب مطمئن ہو جائے تو اسی کا اتباع کرے بلا لحاظ اسکے کہ کون اس سے خوش ہوتا ہے اور کون ناراض۔ خود علم دین کی درس و تدریس کا منشا بھی اسکے سوا کچھ نہیں کہ طالب علم میں اسی تحقیق کی ضروری استعداد پیدا کر دی جائے۔ اگر کوئی نظام تعلیم ایسا ہے جو علم حاصل کرنے والوں میں مرضات الٰہی کی تحقیق اور اسکے اتباع کی صلاحیت اور اسپرٹ پیدا کرنے کے بجائے انکو اپنے اساتذہ اور اکابر کے گرد گھومنا سکھاتا ہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے وہ اپنے اولین مقصد ہی میں ناکام ہے۔

آج استادوں اور بزرگوں کی سچی عقیدت کا جو معیار پیش کیا جا رہا ہے وہ اس معیار سے کس قدر مختلف ہے جو کبھی امام ابو یوسف، امام محمدؒ، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ نے پیش کیا تھا۔ ان کے استادوں سے بڑھکر کس کے استاد اکابر کہلائے جانیکے مستحق تھے، اور اُن سے بڑھکر کون اپنے اکابر کی عزت اور عقیدتمندی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنے علم اور اپنی عقل و وجدان کے مطابق جس چیز کو حق سمجھتے تھے، بے تکلف اس کا اتباع اور اظہار کرتے تھے خواہ انکی رائے استادوں کی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ انکے زمانے میں کوئی اس جتھے بندی سے واقف نہ تھا جو آج علم دین کے گہواروں میں پرورش پا رہی ہے۔

یہ چند خیر خواہانہ مشورے کامل خلوص نیت کے ساتھ میں اُن علمائے کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو اس وقت جمعیت العلماء کی سیاسی اور اخباری پالیسی کو چلارہے ہیں۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ علمائے ہند کی مرکزی جماعت کے نام سے وہ باتیں کی جائیں جو اصول اسلام کے خلاف اور مبادی اخلاق کے منافی ہوں۔ میرے نزدیک اس میں علمائے دین اور انکے ساتھ تمام مسلمانوں اور خود اُس دین کی رسوائی ہے جس کی نمائندگی یہ حضرات کررہے ہیں۔ اسلیے محض دین وملت کے مفاد نے مجھ کو یہ چند الفاظ لکھنے پر مجبور کیا ہے، ورنہ جو خوش تمیزی میرے ساتھ کی جارہی ہے اس کا جواب خاموشی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

چونکہ یہ ایک ضروری مسئلہ بیچ میں آگیا تھا اس لیے بحث کا وہ سلسلہ مجبوراً روکنا پڑا جو اشارات میں مسلسل چل رہا تھا۔ انشاء اللہ آئندہ پرچے میں اسکو مکمل کردیا جائیگا۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ الجمعیت میں جب مدیر ترجمان القرآن اور تحریک دارالاسلام پر مسلسل حملے شروع ہوئے تو منیجر ترجمان القرآن نے دفتر الجمعیت سے درخواست کی کہ ذیل کا اشتہار اپنے اخبار میں اُجرۃً شائع فرمادیں:۔

"ناظرین الجمعیت کی انصاف پسندی سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ تصویر کا دوسرا رخ دیکھے بغیر کوئی رائے قائم کرنا پسند نہ کرینگے۔ لہذا جو حضرات دوسرا رخ دیکھنا چاہیں وہ رسالہ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" مفت اور ترجمان القرآن کے وہ پرچے جن کے مضامین پر نکتہ چینی کی گئی ہے نصف قیمت پر طلب فرمالیں"

اس کا جو جواب دفتر الجمعیت سے وصول ہوا وہ یہ تھا کہ اس اشتہار کو اجرت لیکر بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ خود اپنی پوزیشن کی کمزوری محسوس کرتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ جس فریب میں یہ اپنے ناظرین کو مبتلا کررہے ہیں اس کا پردہ چاک ہوجائیگا اگر دوسری جانب کے بیانات ان تک پہنچ جائیںگے۔ یہ اخلاقی مرتبہ ہے ان لوگوں کا جو جمعیت علمائے ہند کے معزز نام سے اس وقت مسلمانوں میں کام کررہے ہیں۔